بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نظرات

گزشتہ اشاعت کے نظرات ملاحظہ فرمانے کے بعد علی گڈھ کے ایک بزرگ اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"برہان میں آپ کے نظرات کا بہت غور سے مطالعہ کیا آپ نے خوب لکھا ہے اور آپ کا نظریہ بالکل صحیح ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انگریزی اخبارات میں ایسی باتوں کا تذکرہ نہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سیکولرزم مست ہاتھی کی طرح مسلم کلچر کو روندتا ہوا آرہا ہے خدا خیر کرے۔"

اس کے بعد یونیورسٹی کی جو اب موجودہ اندرونی صورت حال ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اگر استادوں اور غیر مسلم طلباء کی یہی رفتار رہی تو چند سالوں میں یونیورسٹی کے اندر عجائب گھروں میں رکھنے کے لئے بھی مسلم طلبا اور استاد نظر نہ آئیں گے۔ ہم داخلہ کے وقت غیر مسلم اور مسلم طلباء میں بالکل برابری کا سلوک کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک کلاس میں ہم کو پچیس طلباء لینے ہیں اور اس کے لئے سو درخواستیں ہوتی ہیں تو چونکہ غیر مسلم طلباء تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں اور وہ بھی تعلیمی اعتبار سے ان کا بیک گراؤنڈ بہتر ہوتا ہے اس لئے قدرتی طور پر کلاس میں غیر مسلم طلبا زیادہ بھر جاتے ہیں اور مسلم طلباء کو مایوس ہونا پڑتا ہے یہی حال استادوں کے انتخاب کے وقت ہوتا ہے غیر مسلم امیدوار ڈگریوں وغیرہ کے لحاظ سے بہتر ہوتے ہیں اس لئے ان کو لینا پڑتا ہے۔"

آخر میں لکھتے ہیں "کہ جب تک یہ نہیں کیا جائے گا کہ مسلم یونیورسٹی میں مسلمانوں کو کچھ سہولتیں اور خاص آسانیاں دی جائیں اس وقت تک حالت بہتر نہیں ہو سکتی۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ہم کو شکوہ کسی سے نہیں رونا اور ماتم ہے تو اپنے ہی مسلمان زعما اور اکابر کا ہے جو اگرچہ زبان سے ہند کو اپنا ملک اور یہاں کی گورنمنٹ کو اپنی گورنمنٹ کہتے ہیں لیکن غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر ان کے دل و دماغ اس درجہ مرعوب اور خوف زدہ ہیں کہ وہ اپنے مسائل پر ٹھنڈے

اور مطمئن دماغ کے ساتھ غور بھی نہیں کر سکتے اور اگر غور کرتے بھی ہیں تو ان کا دل جس چیز کی طرف بلاتا ہے اور ان کی عقل انھیں جو مشورہ دیتی ہے اس کو جرأت و بے باکی کے ساتھ گورنمنٹ یا پارلیمنٹ کے سامنے اس طرح پیش نہیں کر سکتے جس طرح کہ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کے سامنے اپنا مطالبہ پیش کر سکتا ہے قومی اور جماعتی معاملات میں بسا اوقات ایسے لمحے آتے ہیں کہ اگر ان کی نزاکت کو محسوس کر کے بیدار مغزی اور کامل جرأت کے ساتھ کوئی اقدام نہ کیا جائے تو پھر اس سہل نگاری کی مکافات صدیوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔

آج حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کا متمول اور تعلیم یافتہ طبقہ بہت کچھ اپنے وطن کو خیر آباد کہہ چکا ہے اور تھوڑا بہت جو باقی رہ گیا ہے اس میں سے بھی جس کو جب موقع مل جاتا ہے چپکے سے چل نکلتا ہے۔ نوجوانوں کا عالم یہ ہے کہ یونیورسٹی کا امتحان یہاں دیتے ہیں اور نتیجہ دوسرے ملک میں سنتے ہیں اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح جانے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ملازمت نہ ملنے کے خوف اور اندیشہ سے جاتے ہیں اور اس طرح گویا اپنی خوشی سے نہیں بلکہ حالات کی مجبوری اور ان کے دباؤ سے ترکِ وطن کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن بہرحال صورتِ حال یہ ہے کہ ملک میں جو مسلمان رہ گئے ہیں ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو غریب ہیں ناتعلیم یافتہ ہیں اور جو معمولی قسم کے کاروبار کے ذریعہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ پس اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اچھوتوں کے ترقی پا جانے سے ملک کے سماجی نقشے میں جو خانہ خالی ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کی خانہ پری نہیں کرنی ہے بلکہ باعزت زندگی بسر کرنی ہے تو لامحالہ انھیں غریبوں کے بچوں کی تعلیم کا اہتمام و انتظام کرنا ہوگا۔ تعلیم پانے کے بعد ان کو ملازمت ملے یا نہ ملے اس سے بحث نہیں محض تعلیم یافتہ ہونا ایک باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہے جو شخص صحیح معنی میں تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہ جو کام بھی کرتا ہے سلیقہ مندی اور ہوشیاری کے ساتھ کرتا ہے اور آخر کار ناکام نہیں رہتا۔

ظاہر ہے کہ یہ غریب مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم کا خود انتظام کر نہیں سکتے تو اب سوال یہ ہے کہ اگر مسلم یونیورسٹی میں بھی ان کے لئے جگہ نہیں نکل سکتی تو پھر یہ کہاں جائیں۔ اور کیوں کر تعلیم حاصل کریں، سیکولرزم میں ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ ہوتا ہے بے شبہ یہ اصول بڑا مبارک اور قابل احترام ہے۔ لیکن غور کرنا چاہیئے کہ اگر اس اصول کے عام اطلاق کی وجہ سے قوی اور کمزور دونوں مزدوروں

سے یکساں کام لیا جائے ایک زیادہ بھوکے اور دوسرے کم بھوکے کو دونوں کو برابر کی خوراک دی جائے تو اس کا انجام کیا ہوگا ؟

اس بنا پر یہ بالکل کھلی اور صاف بات ہے کہ مسلمان اس ملک کے آئندہ سماجی جسم کے ایک مضبوط اور توانا عضو کی حیثیت سے اس وقت تک ہرگز نہیں رہ سکتے جب تک کہ ان کی موجودہ اقتصادی اور معاشی زبوں حالی کے پیش نظر اولاً تعلیم اور پھر اقتصادی ذرائع کی تحصیل ان دونوں کے لئے ان کے ساتھ خاص خاص مراعات نہ کی جائیں گی اور اس طرح عظیم جد وجہد اور مسلسل کوشش و اہتمام کے ذریعہ ان کو اپنے برادران وطن کے ساتھ چلنے کے قابل نہ بنایا جائے گا۔ یہ مراعات اور یہ سہولتیں اگر مسلم یونیورسٹی بھی ان کو نہیں دے سکتی ——— اور اس لئے نہیں دے سکتی کہ وہ داخلہ کے امیدوار طلبار کی قابلیت و لیاقت کو سیکولرزم کے پیمانہ سے ناپتی ہے تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان حالات میں صرف ڈاکٹر ذاکر حسین کا وائس چانسلر ہونا اور بڑے بڑے علمار کا ممبران کورٹ ہونا اس بدبخت و برگشتہ نصیب قوم کے لئے کچھ بھی اعتماد و اطمینان کا سہارا ہو سکتا ہے !!

کہا جاتا ہے کہ داخلہ کو سیکولر نہ رکھا گیا تو گورنمنٹ گرانٹ نہ دے گی اور یونیورسٹی نہ چل سکے گی لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں سیکولرزم کے یہ معنیٰ ہی غلط ہیں۔ چنانچہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ جو صرف مسلمان طلبار کے لئے مخصوص ہے اور جس میں آج کل آٹھ سو طلبار تعلیم پا رہے ہیں اور جس کے سب اساتذہ بھی مسلمان ہی ہیں مغربی بنگال کی حکومت کی سرکاری درس گاہ ہے اور اس بنار پر اس کے تمام اخراجات کا تکفل گورنمنٹ ہی کرتی ہے اسی طرح شانتی نکیتن کو ابھی حال میں گورنمنٹ نے یونیورسٹی کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے لیکن اس درس گاہ کی جو خصوصیات ہیں وہ علیٰ حالہا قائم رہیں گی۔ اس کو بھی ساتھ ہی مان لیا گیا ہے اس بنا پر کوئی وجہ نہیں کہ اگر بانیانِ مسلم یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد کی ترجمانی عالی حوصلگی۔ بلند ہمتی اور خلوص و ہمدردی کے ساتھ کی جائے تو اس کا اثر نہ ہو۔ فہل من مدکر